میراجی کے تنقیدی تنوعات

رضوان فیصل، پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو بہاالدین ذکریایونیورسٹی ملتان
ڈاکٹر حمادرسول، اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو بہاالدین ذکریایونیورسٹی ملتان

Abstruct:

Critical services of Meera ji has many angles. He provided the first examples of the applied criticism of modern Urdu poetry. Introduced, commented and translated translations of selected poets of East and West. Laid the foundation of Majlisi criticism in Urdu. He also clarified the poetry of modern Urdu poets in response to the objections of contemporary progressive critics. However, the real significance of his criticism lies in the context in which he appeared. Criticism of Meera ji clarifies its features in the context of modern poetry. Most of the problems and questions of his critique arise from this poetry of modern poetry which he himself kept in mind.

Keywords: Meera ji, Prose diversity Applied Criticism, Psychological Criticism

کلیدی الفاظ: میراجی، نثری تنوعات، اطلاقی تنقید، نفسیاتی تنقید

میراجی کا تعارف اُردو ادب میں جدید نظم نگار کا ہے۔ اُردو ادب کے بیشتر ناقدین نے جب میراجی پر قلم اٹھایا تو ان کی شخصیت اور شاعری سے آگے نہیں بڑھے۔ میراجی کی شناخت اُردو ادب میں ان کی عجیب و غریب شخصیت ہے۔ میراجی محض جدید اُردو نظم کے بنیاد گزار ہی نہیں ہیں بلکہ جدید شعری تنقید کی بنیادیں استوار کرنے میں بھی انہوں نے قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ میراجی کی اس شناخت کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ میراجی کے کردار کو اُردو ادب میں اس طرح پینٹ کیا گیا ہے کہ ان کا نام آتے ہی محض ان کا عجیب غریب حلیہ اور شخصیت نظروں میں گھوم جاتی ہے۔ میراجی نے جدید شاعری کے پودے کو اپنے خونِ جگر سے سینچا اور اس کے ساتھ ساتھ جدید شعری تنقید اور اطلاقی تنقید کے نمونے فراہم کیے۔ اس حوالے سے ناصر عباس نیئر رقمطراز ہیں:

> ”میراجی کی تنقیدی خدمات کے کئی زاویے ہیں۔ انہوں نے جدید اُردو نظم کی اطلاقی تنقید کے اولین نمونے فراہم کیے۔ مشرق و مغرب کے منتخب شعرا کا تعارف، تبصرہ اور ان کے منتخب

کلام کے تراجم پیش کیے۔ اُردو میں مجلسی تنقید کی بنیاد رکھی۔ نیز جدید اُردو نظم کی شعریات کو معاصر ترقی پسند نقادوں کے اعتراضات کے جواب میں واضح کیا۔''۔(۱)

میرا جی کے نثری سرمائے میں ان کی کتاب ''اس نظم میں'' شامل ہے۔ جو ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی۔ ''ادبی دنیا'' میں ''دنیائے ادب'' کے عنوان کے تحت ''حصہ نظم'' میں میرا جی نے ہر ماہ شائع ہونے والی نظموں کا تجزیہ پیش کرنا شروع کیا۔ جسے پہلی بار ۱۹۴۴ء میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ تراجم کی دوسری کتاب کا عنوان ''مشرق و مغرب کے نغمے'' ہے۔ یہ کتاب ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں شامل مضامین ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۱ء کے درمیان لکھے گئے۔ ''علمی وادبی مضامین'' کے عنوان کے تحت میرا جی نے ادبی دنیا میں مشرق و مغرب کے مختلف شعرا کے کلام کا جائزہ اور ترجمہ پیش کرنا شروع کیا۔ تراجم کے ساتھ ساتھ شعرا کے حالات زندگی کو بھی بیان کیا گیا۔ میرا جی نے جدید نظم کی شعریات کو تنقید کا موضوع بنایا۔ اطلاقی تنقید کے نمونے فراہم کیے۔ عالمی ادب نے نمائندہ اور نامور لکھاریوں کے تراجم کر کے اُردو ادب میں ان کو متعارف کروایا۔ میرا جی کے تنقیدی سرمائے میں دو کتب شامل ہیں۔ ''اس نظم میں'' اور ''مشرق و مغرب کے نغمے''۔ اول الذکر کتاب ۱۹۴۴ء میں موخر الذکر کتاب ۱۹۵۸ء میں زیور طبع سے میں آراستہ ہوئی۔ میرا جی ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۱ء تک ادبی دنیا سے وابستہ رہے۔ اس دوران میرا جی نے مختلف نظموں کے تجزیے کیے اور مشرق و مغرب کے ادیبوں تخلیقات کے حوالے سے مضامین لکھے۔ میرا جی کے لکھے گئے نظموں کے تجزیوں کو ترتیب دیکر ''اس نظم میں'' شائع کی گئی اور مشرق و مغرب کے ادیبوں پر ان کے تبصروں اور تنقید کو جمع کر کے ''مشرق و مغرب کے نغمے'' شائع کی گئی۔ میرا جی نے تنقید کی نظریاتی اساس کے حوالے سے مضامین نہیں لکھے بلکہ انہوں نے عملی اور اطلاقی تنقید کے ذریعے اپنے تنقیدی نظریات کا اظہار کیا۔ فیض احمد فیض رقمطراز ہیں:

> ''مشرق و مغرب کے نغمے، اور اس نظم میں پیش کی گئی عملی تنقید سے میرا جی کے تنقیدی رجحانات کا علم ہوتا ہے۔ میرا جی کی شاعری پر ابہام اور گنجلک، استعارہ و علامت کا شور بلند ہوتا ہے۔ لیکن میرا جی کی نثر کا یہ حال نہیں۔ وہ شاعری کی نسبت بڑی واضح، صاف اور مبلغ ہے''۔(۲)

میرا جی کی نثر کی ماہیت اور فضا ان کی شاعری سے بالکل مختلف ہے۔ میرا جی کی نثر کے مطالعے سے ان کی شخصیت کی جو تصویر ذہنی افق پر بنتی ہے وہ اس تصور کی مکمل نفی کرتی ہے جو ان کی شاعری کے مطالعے سے جنم لیتا ہے۔ ان کے مضامین اور تجزیوں کی نکھری ہوئی شفاف سطح پر ان مبہم سایوں اور غیر مجسم پرچھائیوں کا کوئی نشان نہیں ملتا جو ان کی شاعری کا امتیاز ہیں۔ ان کی تخلیقات کا یہ حصہ اس پاسبانِ عقل کے زیر سایہ لکھا گیا ہے جس کو عمل شاعری کے

دوران وہ قریب نہیں آنے دیتے۔ میراجی کی شاعری کی فضا میں مشکل پسندی، اجنبی اور نامانوس تراکیب کا غلبہ ہے لیکن ان کی نثر میں اجنبیت دکھائی نہیں دیتی۔ میراجی کی تحریروں سے یہ صاف عیاں ہے کہ انہوں نے تنقیدی جانچ پرکھ کے لئے جذب و وجدان کے بجائے عقل و شعور کا انتخاب مجبوری سے نہیں بلکہ پسند اور ارادے سے کیا ہے۔ مختلف ادوار، اقسام اور اطراف کے ادب کی تفسیر، تفہیم اور تنقید میں وہ خالص عقلی اور شعوری دلائل سے کام لیتے ہیں۔ میراجی بیسویں صدی کی چوتھی دہائی کے وسط میں ادبی پرچے ''ادبی دنیا'' سے منسلک ہو گئے۔ میراجی کے جوہر اس پرچے میں کھل کر سامنے آئے۔ انہوں نے عالمی ادب سے شاعروں کا انتخاب کر کے ان کے تراجم شائع کیے۔ شاعروں اور ادیبوں کے کلام پر تنقیدی جائزے لکھے۔ ''مشرق و مغرب کے نغمے''میں عالمی ادب کے نسبتاً غیر معروف ادیبوں کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ میراجی نے عالمی ادب کے نامور اور بڑے ادیبوں ہومر، سقراط، افلاطون، ارسطو، ولیم شیکسپیئر، کولرج، ورڈزورتھ، شیلے، جان کیٹس، لارڈ بائرن، چالس ڈکنز، جارج برنارڈ شا، روسو، وکٹر ہیوگو، موپساں، فلائبیر، ٹالسٹائی، میکسم گورگی، چیخوف، گوئٹے اور دانتے میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی نہیں لکھا۔ میراجی کے انتخاب کا جائزہ لیا جائے تو یہ خاصا فکر انگیز ہے۔ وہ کونسا معیار، پیمانہ، کسوٹی ہے کہ جس پر پرکھ کر میراجی نے ان ادیبوں کا انتخاب کیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کا نقطہ نظر ملاحظہ کیجئے:

> ''خود اس انتخاب میں شامل بیشتر شعرا ایسے ہیں جن کی زندگی کے مخصوص نفسی میلانات میں خود میراجی کی نفسی سرگزشت کی بعض کڑیاں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ ان میں سے کچھ نفسیاتی مریض تھے تو کچھ جنسی الجھنوں کا شکار۔۔۔۔ ایک انتہا پر جاپانی طوائفوں (گیشاؤں) کے گیت اور ہم جنس پرست شاعرہ سیفو نظر آتی ہے تو دوسری طرف پر پوتر پریم کہانی سنانے والا چنڈی داس''۔(۳)

بیسویں صدی کے آغاز میں مغربی ادب کے اثرات اُردو ادب پر گہرے ہوتے چلے گئے۔ سیاسی نو آبادی بنانے کے بعد برصغیر کی تہذیبی، معاشرتی اور ادبی زندگی پر مغرب کے اثرات کی چھاپ بڑھتی گئی۔ میراجی کو اس حقیقت کا ادراک تھا کہ گرچہ وہ عالمی ادب کے رجحانات، تحریکوں اور مزاج سے واقف ہیں لیکن برصغیر کا عام انسان ان سے واقفیت نہیں رکھتا۔ میراجی نے ان شعرا کرام کہ جن کے کلام کے انہوں نے ترجمے کیے ان کے بارے میں مکمل تعارف اور ان کے کلام کو بھی تراجم کا حصہ بنایا۔ اس طرح برصغیر کے عام قاری کے لئے ابلاغ کا عنصر کافی بڑھ گیا۔ عالمی ادیبوں کی سوانح کا مطالعہ کرنے سے ان کے کلام کو بہتر طور سے سمجھا جاسکتا ہے۔ میراجی نے تخلیق کار کی زندگی کے خارجی واقعات کے ساتھ نجی خطوط، ڈائریوں، خود نوشت سوانح عمریوں اور اعترافات وغیرہ کی مدد سے اس کی

شخصیت اور تخلیقی ذہن کی تشکیل کرنے والے عوامل کے تعین سے زندگی کے اہم نفسی وقوعات اور حوادث کا سراغ لگا کر ان کی روشنی میں تخلیقات کا عمومی جائزہ یا مخصوص ادب پاروں کا تجزیاتی مطالعہ کیا۔ اگرچہ اُردو ادب میں تخلیق کاروں کے سوانحی کوائف سے ان کے فن کو سمجھنے کا انداز نیا نہیں مگر میرا جی نے اس مربوط اور منظم انداز سے اس کو برتا کہ اُردو میں نفسیاتی تنقید کے بانی کہلائے۔ اُردو میں نفسیاتی تنقید کے آثار دیگر تمام دبستانوں کے مقابلے میں قدیم تر ہیں۔ ''امراو جان ادا'' کے خالق مرزا رسوا کی تحریروں میں نفسیاتی تنقید کے گہرے نقوش ملتے ہیں۔ جب ڈاکٹر محمد حسن کی مرتبہ ''مرزا رسوا کے تنقیدی مراسلات'' سامنے آئی تو بعض نقادوں نے مرزا رسوا کو اُردو زبان و ادب کا اولین نفسیاتی نقاد قرار دیا۔ لیکن مرزا رسوا کی تنقیدی تحریروں میں نفسیاتی تنقید کے اشارے ضرور ملتے ہیں لیکن انہوں نے باضابطہ کسی فن پارے کا تجزیاتی مطالعہ علمِ نفسیات کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر نہیں کیا۔ نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

> ''ترقی پسند تحریک کے ابتدائی زمانے ہی میں میرا جی نے مشرق و مغرب کے مختلف زمانوں اور زبانوں کے شاعروں پر تعارفی مضامین کا سلسلہ شروع کیا جو اُردو تنقید کے ارتقا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اُردو ادب کے قارئین کو شعرا کے شہ پاروں سے روشناس کراتے ہوئے ان شہ پاروں کی تخلیق میں شاعروں کے سوانحی عوامل کی جو کارفرمائی دکھائی ہے اس سے اُردو ادب میں نفسیاتی تنقید کی بنیاد پڑی''۔(۴)

میرا جی نے محض تنقید کی نظریاتی سطح پر کام نہیں کیا بلکہ اپنے نظریات کی روشنی میں اطلاقی تنقید کے نمونے فراہم کیے۔ اصول و قوانین بیان نہیں کیے بلکہ برت کر دکھائے۔ میرا جی نے اُردو تنقید کو ایک انداز فراہم کیا۔ اُردو تنقید کی بنیادوں استوار کیں۔ میرا جی نے نظریاتی تنقید کے مخمصے میں پھنسنے کے بجائے تنقید کا اطلاقی طریقہ کار اختیار کیا۔ میرا جی کا خیال تھا کہ اُردو ادب میں اس قدر توانائی اور روشنی ہر گز نہیں ہے کہ جدید نظریات کی پیدائش و پرورش کر سکے۔ اس کے لئے یورپ سے قطرہ بھر روشنی درکار ہو گی۔ مغرب سے مستعار ترقی پسند تحریک کا میرا جی کے زمانے میں بہت چرچا تھا۔ لیکن میرا جی اس تحریک سے کچھ بہت متاثر دکھائی نہیں دیتے بلکہ ترقی پسند تحریک کے بعض پہلوؤں پر گرفت کرتے نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''مزدور کی زندگی اور گناہ گاری کے سستے پہلوؤں کے علاوہ اُردو کے ترقی پسند شاعروں اور ادیبوں کی نظریں اور بہت ہی کم رستوں کی طرف اٹھتی ہیں۔ اس لئے یہ بات کچھ بے جا نہیں معلوم ہوتی کہ مغرب کے ادب کی ان شخصیتوں سے اُردو کے دامن کو وسیع کیا

جائے۔ جو اچھوتی راہوں پر چلیں اور جنہوں نے نئے خیالات کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا''۔(۵)

''مشرق و مغرب کے نغمے'' میں انہوں نے مغربی ادب کے شاعروں کے فکر و فن پر بات کرتے ہوئے اُردو شعرا کے حوالے دیئے ہیں۔ اُردو ادب، اس کے شعرا، نثر نگار میرا جی اور ان کے قاری کے لئے آشنا ہیں جبکہ مغربی ادب کے غیر معروف ادیب ناآشنا، اس لئے میرا جی نے اپنی بات کی بہتر ترسیل اور تفہیم کے لئے معروف ادب کا سہارا لیا ہے۔ اس طریق کار سے غیر معروف اور انجانے ماحول کی شاعری کی تفہیم کے لئے قاری کا ذہن تیار ہو جاتا ہے۔ وہ نامانوس شعرا اور ان کی شاعری کو بھی اپنی شاعری کے تناظر میں دیکھنے لگتا ہے۔ افہام و تفہیم کے لئے ''مشرق و مغرب کے نغمے'' میں بار بار اُردو شاعروں کے حوالے در آتے ہیں۔ میر، اقبال، سودا، انشا، مومن کے علاوہ اور بہت سے دوسرے شعرا کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے شاعر جو میرا جی کے ہمعصر تھے، مثلاً عظمت اللہ خاں یا اختر شیرانی کی سلمیٰ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یہاں ایک مثال کا بیان غیر مناسب نہیں ہو گا۔ ذکر فرانس کے شاعر بودلیئر کا ہو رہا ہے۔ اس کی بغاوت کو وضاحت سے بیان کرنے کے لئے کہ اس نے قدیم شاعری سے بغاوت کی اور نئے اسلوب کی راہ نکالی۔ میرا جی اس بغاوت اور نئے پن کو ہمارے اذہان کی قبولیت کے لئے اُردو شاعری کے تاریخی تسلسل کی تمثیل بنا کر پیش کرتے ہیں:

> ''مرزا غالب نے اپنی ساری عمر میں اردو کا صرف ایک مختصر دیوان شائع کیا۔ بادیلیئر نے بھی اپنی ساری عمر میں صرف ایک کتاب شعروں کی لکھی اور اسی ایک ہی کے اثرات کی پیداوار آج کل کی جدید فرانسیسی شاعری ہے۔ جس طرح اگر مرزا غالب کا دیوان نہ لکھا جاتا تو آج اردو شاعری کا رنگ اس کے موجودہ رنگ سے مختلف ہوتا۔ اس طرح اگر بادیلیئر اپنے اشعار نہ کہتا تو جدید فرانسیسی شاعری اپنی موجودہ خصوصیات سے بہت مختلف ہوتی''۔(۶)

میرا جی کی نثر کا اسلوب بے حد شاندار ہے۔ انہوں نے تنقید لکھتے ہوئے عام فہم اور سادہ بیانیہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ ان کی نثر کا اسلوب قاری کو الجھاتا ہرگز نہیں ہے۔ ڈھائی ہزار برسوں پر محیط، دنیا کی مختلف زبانوں کے منتخب شعرا کا مطالعہ، بلکہ نفسی مطالعہ کسی آؤ بھاؤ اور تبحر علمی کا احساس جگائے بغیر ذہن و دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ میرا جی نے اپنی شعری تخلیقات میں بھی مغرب کا سا انداز اختیار کیا مگر اجنبیت قائم رہی۔ لیکن میرا جی کی نثری تحریریں، مغرب کے مزاج کو سمجھنے اور سمجھانے کی احسن کاوششیں ہیں۔ میرا جی نے اپنی تنقید میں شاعروں کے زمانی حالات،

مختصر خاندانی کوائف اور تخلیق کار کی زندگی کے اسلوب کے تناظر میں شاعر کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ جاننے اور پرکھنے کی طرف دل اور ذہن راغب ہو جاتا ہے۔ میرا جی نے بہتر تفہیم کے لئے تخلیق کاروں کی حیات کو وسیلہ تو بنایا ہے لیکن اس حوالے سے جدید تنقیدی نظریے کی طرف خیال جاتا ہے کہ جس کے مطابق مصنف کی موت واقع ہو چکی ہے اور قاری کو متن ہی سے معنی کو اخذ کرنا ہے۔ تحریر اساس تنقید یا قاری اساس تنقید متن کو مصنف سے ماورا تسلیم کرتی ہے۔ جدید تنقیدی نظریے کا ماننا ہے کہ مصنف کا متن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فن پارے کی تشکیل کے بعد مصنف اور قاری کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہتا۔ قاری کو فن پارے کا مطالعہ کرنے سے ہی معنی استخراج کرنے ہیں۔ باخبر اور صاحب ذوق قاری کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ متن سے ان معانی کی تفہیم یقینی بنائے جو منشائے مصنف ہے۔ متن سے معنی کے استخراج کے سلسلے میں میرا جی نے بعض اہم نکتے پیش کیے ہیں۔ مصنف یا شاعر کی ذات، اس کے حالات بلکہ اس کے عہد کے مطالعے کی ضرورت پر بلیغ اشارے ملتے ہیں۔ درحقیقت کسی تخلیق کار کی سوانح حیات اس کے کلام کے مطالعے میں اس حد تک معاون ہو سکتی ہے جس سے تخلیق کار کے فن کے ارتقائی سفر کو سمجھنے میں مدد ملے۔ سوانحی حیات میں حد سے زیادہ دلچسپی سے ایک نقصان دہ پہلو یہ نکل سکتا ہے کہ ہم افسانہ پرست بن کر رفتہ رفتہ اس کے کلام کی حقیقت سے دور ہوتے جائیں گے۔ اس حوالے سے میرا جی کا نقطہ نظر تنقید کی مبادیات میں کافی اہمیت کا حامل ہے۔ میرا جی طامس میور کی شاعری پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میر تقی میر، غالب اور اقبال ایسے عظیم شعرا کے لئے اس بات کی قطعی ضرورت نہیں ہے کہ ہم ان شاعروں کی سوانح سے واقف ہوں اور ان کے حالات زندگی سے ان کی شخصیت کے بارے میں تصور قائم کر سکیں۔ لیکن انشاء، داغ اور ایسے دوسرے شعرا کے کلام سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم ان کے واقعات حیات کو پہلے سے جان لیں نا صرف ان کے ذاتی حالات بلکہ ان کے زمانے کے حالات جاننا بھی ہمارے لئے بے حد ضروری ہو جاتا ہے''۔(۷)

زماں و مکاں سے ماورا شاعر وقت اور حالات کے جبر سے اپنی شاعری کو آزاد کروا لیتے ہیں۔ ان کے کلام میں آفاقیت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ زماں و مکاں کے پابند نہیں ہوتے۔ میرا جی نے اس مسئلے کے حوالے سے خاصی متوازن دلیل پیش کی ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر شاعر کو بھی اس بات سے آزاد نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی سوانح کو ایک طرف رکھ کر محض اس کے متن سے ہی معنی کا استخراج کیا جا سکے۔ اس کا اطلاق محض نامور اور عظیم شعرا پر ہوتا ہے کہ جنھوں نے اپنے ہنر سے اپنے کلام کو زماں اور مکاں کی قید سے آزاد کر لیا۔ میرا جی نے ''مشرق و مغرب کے نغمے'' میں

تنقید کے اصول بین السطور پیش کیے ہیں۔انہوں نے تنقید کی نوعیت اوراس کی ماہیت پر بھی گفتگو کی ہے۔حالی نے ان نکات کی جانب اشارے ضرور کیے تھے لیکن میرا جی کا شمار ان اولین نقادوں میں ہوتا ہے۔ جس نے جدید تنقید کی بنیادیں استوار کیں۔ میرا جی کے یہ مضامین نظری اور عملی تنقید کے قابل قدر نمونے ہیں۔ میرا جی کی تنقید نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی کی رائے ملاحظہ کیجئے:

> ''میرا جی کے قلم میں بڑی روانی تھی۔وہ سادہ اور رواں نثر لکھتے تھے۔ان کی نثر میں رنگینی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن ان کی سادگی ہی میں یک پرکاری تھی۔شعر فہمی گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی''۔(۸)

میرا جی مروجہ ادب کے معیارات سے خوش نہیں تھے.ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اُردو ادب میں متروک انداز، پرانے اور فرسودہ طور طریقے ختم کر دیے جائیں۔ ان کا مقصد محض یہ تھا کہ زوال کی شدت کو ختم کیا جائے۔ نئی شاعری کو بنیاد فراہم کی جائے۔ان کو نئے اور اچھوتے انداز اور طور طریقوں میں کشش محسوس ہوتی تھی۔انہوں نے شاعری کی صنف پر توجہ کی،اس کی ہیت اور ساخت کو تبدیل کر ڈالا۔عالمی ادب سے تراجم پر نظر کی اور شعرا کی سوانح اور انداز نقد کے ساتھ ادب میں ایک نئے انداز کی بنیاد رکھی۔ شعری تنقید کے حوالے سے نظموں کی توضیح اور تشریح کا انداز اختیار کیا۔ میرا جی کی نظموں کے تجزیے اول اول ''ادبی دنیا'' کے اوراق کی زینت بنے اور پھر 1944ء میں ساقی بک ڈپو، دہلی نے ان کو ترتیب دیکر شائع کیا۔اس کتاب کی فہرست کا جائزہ لیا جائے تو اس میں متنوع جہات، نظریات اور رجحانات کے شعرا شامل ہیں۔ میرا جی نے محض معروف نامور اور نمائندہ شاعروں کی شاعری کو ہی تجزیے اور تشریح کے لئے منتخب نہیں کیا بلکہ غیر معروف شاعروں کو بھی تجزیے کے لئے منتخب کیا ہے۔اگرچہ میرا جی حلقہ ارباب ذوق کے سرگرم رکن رہے لیکن انہوں نے اس کتاب میں ہر نظریے کے شعرا کو منتخب کیا ہے۔انہوں نے انتخاب کا فیصلہ متن کو معیار بنا کر کیا ہے۔ نظموں کو چننے میں میرا جی کی توجہ نظموں کے موضوع اور خیال کی جانب ہوتی ہے کیونکہ موضوع اور خیال ہی بنیادی شے ہے۔اگر اس میں نیا پن نہیں ہے، آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اظہار کی کوشش بے مصرف اور بیکار ہے۔

میرا جی عملی تنقید میں فکری سطح پر نفسیات کے اصولوں کی پابندی کرتے نظر آتے ہیں۔ان کے انداز نقد میں فرائیڈ کے خیالات کی روشنی رہبر کا کام سرانجام دیتی ہے۔ تحلیل نفسی،اختلال ذہنی اور ادبی اظہار کے تناظر میں میرا جی فن پارے کا بغور جائزہ لیتے ہیں۔یہ کوشش میرا جی سے پہلے اُردو تنقید میں باقاعدہ وجود نہ رکھتی تھی۔ان کی تنقید نفسی پہلوؤں سے جلا پاتے ہوئے فن اور فنکار کے درمیان ربط قائم کرتی ہے۔جب یہ ربط پختہ ہو جاتا ہے تو شعر

کی تفہیم کا آغاز ہوتا ہے۔ فنکار کی لاشعور فکر تک بات جاتی ہے۔ جس سے فن پارے کی حقیقیت عیاں ہوتی ہے۔ میرا جی اس عمل میں علم نفسیات کے اصولوں سے رہنمائی لیتے ہیں اور شاعر کے ذہن، تخلیق اور تخلیقی عمل کو اپنے تنقید ی شعور سے وحدت میں بدل دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ خود کو اس کیفیت میں تصور کر لیتے ہیں جس کے ماتحت شاعر کی تخلیق نے تحریک پائی تھی۔ اس طرح تخلیقی عمل کی بازیافت کرتے ہیں۔ جو فن پارے سے فنکار اور اس کے شعور میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ نفسیات، فرانسیسی شاعروں کی تخلیقات اور ان پر تنقیدوں کے مطالعے سے میرا جی اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ شاعر کی شخصیت اور تخلیقات ایک دوسرے پر نظر انداز ہوتے ہیں۔ میرا جی نے ہر شخصیت کا مطالعہ تحلیل نفسی کی رو سے نہیں کیا لیکن جن نظموں میں شاعر کے نفسی میلانات کی عکاسی نظر آئی وہاں تحلیل نفسی سے نظم کا کامیاب نفسیاتی مطالعہ کیا ہے۔ اس ضمن میں اجنبی عورت، زنجیر (ن۔م۔ راشد)، ایسا کیوں ہوتا ہے، محاکات (سلام مچھلی شہری)، جھیل کے کنارے، (خواجہ مسعود علی ذوق)، صدائے آوارہ (یوسف ظفر)، موہن بابو (مقبول حسین احمد پوری اور ننھا قاصد (اختر شیرانی) کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ تحلیل نفسی کے ذریعے میرا جی نے شاعر کے ذہن کے ان گوشوں تک کامیابی سے رسائی حاصل کی ہے جہاں شعور کی حد ختم ہوتی ہے۔ اختر شیرانی کی نظم ''ننھا قاصد'' ایسے قاصد کی کہانی ہے جو ننھا سا بچہ ہے اور اس کی ہمشیرہ اس کے ہاتھ اجنبی کو رقعے بھجواتی ہے۔ اس کے کئی برسوں کے بعد وہی بچہ جب مصنف کے سامنے آتا ہے تو مصنف کو ماضی کی واردات یاد آجاتی ہے۔ اس نظم میں بچے کی نفسیاتی سوچ اور فکر کے تمام پہلوؤں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ بچے کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ اسی کو نامہ لکھ کر بھیجتی کیوں ہے؟ عزیزوں کی طرح وہ اجنبی مکان میں کیوں نہیں آسکتا؟ وہ پہلے سے زیادہ بھائی کو کیوں پیار کرتی ہے؟ لفافہ دے کر لطفِ خاص کا اظہار کیوں کرتی ہے۔ چھپا کر خط لیکر جانے کی تاکید کیوں کی جاتی ہے۔ ایسے بہت سے سوالات پر اس نظم کی اٹھان ہے۔ میرا جی کا تجزیہ ملاحظہ کیجئے:

> ''نفسیات کے لحاظ سے بھی دو باتیں اہم ہیں۔ ایک بچے کی ذہنی اور دوسرے چھپ چھپا کر عشق کرنے والے نوجوان مرد و عورت کے ذہنی عمل کا مطالعہ، جو فنکار کے گہرے مشاہدے یا تجربے کی دلیل ہے''۔(۹)

نفسیاتی طریق کار کا دائرہ کار وسیع ہے، جبکہ نفسیاتی نظریات کا اطلاق مخصوص فن پاروں پر کیا جا سکتا ہے۔ تحلیل نفسی ان ادب پاروں کے لئے زیادہ موزوں ہے جن کے لکھاریوں کے حالات زندگی میں کسی ایسے واقعے کا ذکر ہو جس نے ان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہوں اور ان اثرات کا فن پارے پر سایہ محسوس ہوتا ہو۔ اسی طرح اساطیری علامتوں اور استعاروں سے بھرپور نظموں اور تخلیقات کا تجزیہ ژنگ کے آر کی ٹائپ کی روشنی میں بہتر انداز

میں کیا جا سکتا ہے۔ میرا جی کے تنقیدی خیالات کا سرچشمہ مغربی فکر ہے لیکن انہوں نے اُردو ادب میں مغربی فکر کو اس انداز سے برتا ہے کہ اُردو ادب میں نئے انداز کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ نئی جہت فرائڈ کے اصول تحلیل نفسی کا با قاعدہ طور پر استعمال ہے۔ تحلیل نفسی کے علاوہ مغربی ادب کی تحریکات، علامت نگاری اور ماورائے حقیقت نگاری کو بھی میرا جی نے پہلی بار اُردو میں متعارف کروایا۔ بیشتر ناقدین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ میرا جی کا انداز نقد فرائڈ کی تحلیل نفسی یا ژونگ کے اجتماعی لاشعور کے نظریات میں سے کسی ایک نظریے سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ میرا جی کے اندازِ نقد کے حوالے سے ناصر عباس نیرّ کا خیال ہے کہ:

> ''میرا جی نے اس نظم میں شامل تجزیوں میں کہیں کہیں فرائڈ اور ژنگ کے نظریات سے استفادے کا ثبوت دیا ہے۔ وہ نا تو فرائڈ اور ژنگ کے جملہ نفسیاتی نظریات سے کامل آگاہی کا ثبوت اپنے تنقیدی مطالعات میں پیش کرتے ہیں نا ان کے مرکزی نظریوں (جیسے فرائڈ کی تحلیل نفسی، ایڈی پس الجھن، اصول حقیقت اور ژنگ کا اجتماعی لاشعور آر کی ٹائپل اساطیری تمثالیں) کی تمام جہات اور مضمرات پر توجہ کرتے ہیں۔''۔(۱۰)

ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ کی میرا جی کے طریق کار پر رائے خاصی متوازن معلوم ہوتی ہے۔ بیشتر ادیبوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ میرا جی کی جملہ تنقید فرائڈ کے تحلیل نفسی اور ژنگ کے اجتماعی لاشعور سے عبارت ہے۔ انہوں نے ہر نظم اور فن پارے کا تجزیہ محض ان ہی نظریات کی روشنی میں کیا ہے۔ لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ میرا جی نے ان کے نظریات سے استفادہ ضرور کیا ہے لیکن ان کی جملہ تنقید محض ان نظریات کو اُردو شعری تنقید پر منطبق کرنے کا نام نہیں ہے۔ ان کے ہر تجربے کی بنیاد فرائڈ اور ژونگ کے نظریات پر ہر گز نہیں ہے لیکن انہوں نے عملی تنقید میں نفسیاتی طریق کار کو استعمال ضرور کیا ہے۔ نظموں کے تجزیے کرتے ہوئے میرا جی کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ کہنے والے نے جو کچھ کہنا چاہا ہے اس سے پہلے اس کے ذہن نے کون کون سی راہیں طے کی ہیں۔ کون سا مصرعہ اور کون سا لفظ اس کے تحت الشعور کے کس بھید کی غمازی کرتا ہے یا کر سکتا ہے۔ شاعر نے ذہین قاری کے لئے کون کون سی کڑیاں چھوڑی ہیں اور ان کڑیوں کا باہم تعلق کس طرح ممکن ہے۔ ان لوازمات کے مہیا کرنے میں جہاں ایک طرف میرا جی کی ندرت پسندی ان کی معاون و مددگار ہے دوسری چیز ان کی سوچنے اور سمجھنے کی عادت ہے کہ ہر نظم وضاحت، تشریح اور تجزیہ کی محتاج اور ہر پڑھنے والا اس طرح کی وضاحت، تشریح اور تجزیہ کا خواہش مند ہے۔ میرا جی نے نظموں کا تجزیہ اور شاعروں کا تعارف کراتے وقت جا بجا اپنے تنقیدی مسلک اور اس کے اجزائے ترکیبی کا ذکر کیا ہے اور ان جستہ جستہ اشاروں سے اور مسلک کے ان اشاروں اور عملی تنقید کے تطابق سے جو نتیجے نکلتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا جی کے

نزدیک شاعر اور شاعری کا مطالعہ لازمی طور پر معاشرتی اور تمدنی پس منظر سے وابستہ ہونا چاہیے اس لئے کہ دونوں میں بڑا گہرا ربط اور بڑا قریبی رشتہ ہے۔

ایک اور عنصر جو میرا جی کی تنقید کو معاصر نقادوں سے انفرادیت بخشتا ہے وہ یہ ہے کہ میرا جی تنقید میں فن پارے کا موضوعی مطالعہ ہی نہیں کرتے بلکہ وہ اس کے فنی محاسن اور مصائب پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ ان کے عروض کی سمجھ ان کے تجزیوں کو بامعنی بناتی ہے۔ ایک مسلم الثبوت شاعر ہونے کے باعث شعر کی صوتی آہنگ اور شعر کی نغمگی کے اصولوں سے میرا جی کو مکمل آگاہی ہے۔ اس لئے اپنے تجزیوں میں نظم کے اوزان و بحور کے ذکر سے نظم کے بہاو اور موسیقیت کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ نظم ''ادھوری کہانی میں رادھے، شیام کی کتھا بیان کی گئی ہے۔ میرا جی نظم کا تجزیہ کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

''تمام نظم ایک بحر میں ہے۔ فاعلاتن، فعلاتن، فعلاتن فعلن۔ لیکن آخری شعر میں بحر بدل جاتی ہے۔ فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن۔ کیا معنوی لحاظ سے اس کا کوئی جواز ہے؟ کیا صوتی لحاظ سے یہ امتزاج درست ہے؟ ہم آہنگی میں کوئی فرق تو نہیں آتا؟''(۱۱)

یہ بھی میرا جی کا اندازِ نقد ہے۔ تنقید کرتے کرتے چپکے سے سوال اٹھاتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ میرا جی سوال اٹھاتے ہیں اور قاری کی دانست اور فہم پر کاری ضرب لگا جاتے ہیں۔ میرا جی فیصلہ نہیں سناتے بلکہ وہ قاری کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ میرا جی کے عہد میں ترقی پسند تحریک اپنے زوروں پر تھی۔ بہت سے قد آور شاعر اور ادیب اس میں شرکت کر چکے تھے۔ پورے ہندوستان میں تیزی سے اس کی شاخوں کا جال پھیل رہا تھا۔ جب اس تحریک کا آغاز ہوا تو میرا جی نے ''ادبی دنیا'' میں لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن میرا جی اس تحریک کی طرف راغب نہیں ہوئے بلکہ میرا جی نے اپنی تحریروں میں ترقی پسندوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ نظموں کے تجزیاتی مطالعے کے دوران ادب کے حوالے سے میرا جی کا نقطہ نظر بھی سامنے آتا ہے۔ میرا جی کا ادب کے حوالے سے نظریہ یہ تھا کہ فن کار کے فن پارے میں ایسی فنکارانہ چابکدستی اور ہنر مندی ہونی چاہیے کہ وہ برائی کے خلاف وعظ نا کرے بلکہ اس طرح کی فضا پیدا کرے جو قاری کو اس نظام سے نفرت دلا دے کہ جس میں ظالم کردار جنم لیتے ہیں۔ اس اعتبار سے میرا جی جوش ملیح آبادی کی نظم ''مہاجن'' کی مثال دیتے ہیں کہ جس میں شاعر نے طبقاتی تقسیم اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا، نا اس کردار کو برا بھلا کہا لیکن اس کے باوجود قاری کے دل میں اس کردار کے خلاف نفرت پیدا ہوئی ہے۔ نظم کا تجزیہ کرتے ہوئے میرا جی لکھتے ہیں:

''کہیں بھی شاعر نے براہ راست مہاجن کے خلاف کوئی بھی بات نہیں کہی۔ لیکن اس کے باوجود جو اس نے لائق تحسین، حقیقت پرستانہ نقشہ ایک مارواڑی بنیے کا کھینچا ہے، اسے شروع سے دیکھتے ہی اس کے خلاف ناپسندیدگی کا احساس قائم ہو جاتا ہے اور جوں جوں نظم بڑھتی جاتی ہے یہ ناپسندیدگی اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی نفرت کے قریب پہنچتی جاتی ہے''۔(۱۲)

میراجی کا ترقی پسندوں سے اختلاف اصولی نوعیت کا تھا وہ طبقاتی تقسیم کے خلاف تھے اور اس نظام کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتے تھے۔ لیکن اختلاف طریق کار کا تھا۔ ترقی پسندوں کے نزدیک ادب میں اپنے نظریات کی ترویج و اشاعت کے لئے پروپیگنڈا قابل قبول تھا۔ لیکن میراجی فن کی جمالیات کو قربان کرنے کے حق میں نا تھے۔ میراجی کا اندازِ نقد یہ ہے کہ عمومی تبصرے کے بعد میراجی شعوری طور پر نظم کو اجزا میں منقسم کر کے اس کی تفہیم کرتے ہیں۔ کسی فن پارے کے تجزیے کے لئے یہ طریقہ کار لائق تحسین ہے۔ میراجی کے تقریباً سب ہی تجزیوں میں طریقہ کار کی معنی خیزی ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ان کے تجزیوں سے ہمیں بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تخلیقی زرخیزی، تنقیدی ذوف، تجزیاتی بصیرت، عصری آگاہی اور شعور و وجدان کی بے پناہ دولت سے مالا مال تھے۔ اگرچہ ان کے تجزیے مختصر ہیں لیکن انہوں نے اُردو ادب کو ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ میراجی کی تنقید پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر نوشاد عالم رقمطراز ہیں:

''میراجی پہلے پوری نظم کے خیال کو گرفت میں لاتے ہیں اس کے بعد ایک عمومی رائے پیش کرتے ہیں۔ مصرع در مصرع نظم کی تہہ میں اترنے کی منزل اس کے بعد آتی ہے۔ خیال کی ارتقاپذیری کے ساتھ ساتھ کرداروں کی شخصیت میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر گہری نگاہ رکھتے ہوئے وہ قاری کو ایک نئی معنویت و بصیرت سے ہمکنار کرتے ہیں۔ کرداروں کا بتدریج ارتقا بھی ان کے تجزیہ کا خصوصی مرکزِ نگاہ ہوتا ہے''۔(۱۳)

میراجی کے منطقی، نفسیاتی، سائنسی اور جمالیاتی تجزیے اچھی اور دلکش نثر میں لکھے گئے ہیں۔ نثر ہم آہنگ ہے اور مختلف سروں میں تقسیم ہونے کے باوجود زیر و بم رکھتی ہے۔ منطقی ارتقا اور نفسیاتی تحلیل قابل رشک ہے۔ ''اس نظم میں'' کا اسلوب پرکشش ہے اور آج تک اس کی تقلید کی جارہی ہے۔ یہ اس کے غیر فانی ہونے کا ثبوت ہے۔ میراجی کے تجزیوں سے باآسانی اس کے جمالیاتی اصولوں کا استنباط کیا جا سکتا ہے اور ان میں نظریے اور عمل کی وحدت صاف جھلکتی نظر آتی ہے۔ 'اس نظم میں' کی تنقیدی نثر کے بعض اہم اجزا ٹیکنکل اصطلاحوں کی صورت میں نمایاں نظر آتے

ہیں۔ میراجی سے پہلے اس امر کا ادراک تو ہو چکا تھا کہ اُردو ادب میں تنقید کے شعبے کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ میراجی نے مغربی ادب کا گہرا مطالعہ کیا اس کو اُردو ادب کے قاری سے روشناس کروایا اور پھر ان اصولوں کی مدد سے اُردو ادب کے فن پاروں کا جائزہ لیا۔ میراجی کی تنقید کی ایک اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے نظریاتی تنقید کے بجائے عملی اور اطلاقی تنقید کے نمونے فراہم کیے۔ انہوں نے تنقید کے اصول اور قوانین وضع نہیں کیے بلکہ ان اصولوں کو برت کر دکھایا۔ میراجی کے سامنے جدید تنقید کی عملی صورت موجود نا تھی۔ انہوں نے اُردو ادب میں مغربی شاعروں کو متعارف کروانے اور نظموں کے تجزیے کرنے کی صورت میں اظہار کی نئی روایت کو جنم دیا۔ میراجی نے نفسیاتی، عمرانی اور تہذیبی سیاق وسباق کے تناظر میں فن پاروں کا مطالعہ کیا۔ اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں کہ میراجی جدید شعری تنقید کا ایک اہم نام ہے۔ انہوں نے اپنی تنقیدی تحریروں سے ادبی تنقید کو مستحکم کرنے اور اس کے فروغ کے لئے ابتدائی کام انجام دیا ہے۔ نفسیاتی دبستان کے تو وہ اولین معمار ہیں۔ ان کے تنقیدی خیالات اگرچہ کسی مربوط نظریاتی سطح پر موجود نہیں کیونکہ انہوں نے زیادہ تر عملی تنقید کی ہے لیکن اس کے اثرات جدید اُردو تنقید پر ہی نہیں جدید اُردو نظم پر بھی بہت گہرے ہوئے ہیں شافع قدوائی لکھتے ہیں:

> ''میراجی کی تنقید موضوع اساس ہونے کے باوجود محض مواد کی تلخیص paraphrasing سے عبارت نہیں ہے بلکہ اُردو میں پہلی بار ایک نوع کے ثقافتی ڈسکورس کو قائم کرتی ہے۔ انہوں نے تہذیبی اور عمرانی سیاق کے تناظر میں فن پارے کی معنی خیزی کے عمل کے نقوش کو ابھارا۔ علاوہ بریں موضوعات کو جامد اخلاقی تصور کی کسوٹی پر پرکھنے کے بجائے فن پارے کی کثیر الجہتی آشکار کی''۔(۱۴)

حوالہ جات

۱۔ ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر، اس کو ایک شخص سمجھا تو مناسب ہی نہیں، (کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۷ء)، ص ۱۳۳

۲۔ فیض احمد فیض، میراجی کا فن، مشمولہ مشرق مغرب کے نغمے، میراجی، (کراچی: آج کی کتابیں، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۰

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نفسیاتی تنقید، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۶ء)، ص ۹۶

۴۔ نظیر صدیقی، دیباچہ، مشمولہ آدمی یا انسان، محمد حسن عسکری، (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۲ء)، ص ۷

۵۔ میراجی، مشرق و مغرب کے نغمے، (کراچی: آج کی کتابیں، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۳۳

۶۔ ایضا، ص ۳۶

۷۔ ایضا، ص ۱۰۶

۸۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، میراجی مشاہیر کی نظر میں، مشمولہ نایاب، میراجی نمبر، (خان پور: نایاب پبلی کیشنز، مارچ ۲۰۱۶ء)، ص 14

۹۔ ایضاً، ص ۲۱۸

۱۰۔ اس کو ایک شخص سمجھا تو مناسب ہی نہیں، ص ۱۳۴

۱۱۔ میراجی، اس نظم میں، (کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۰۹

۱۳۔ نوشاد عالم، ڈاکٹر، میراجی کے تجزیے، مشمولہ نایاب میراجی نمبر، (خان پور: نایاب پبلی کیشنز، مارچ ۲۰۱۳ء)، ص ۷۵

۱۴۔ شافع قدوائی، میراجی، (نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۲۰۰۱ء)، ص ۹۳